© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ماہ اگست آتا ہے تو ہمارے دلوں میں خوشی کی ایک لہر اُس دن (۱۴ اگست) کو یاد کر کے دوڑ جاتی ہے جس دن ہم انگریزی استعمار کے ساتھ ساتھ ہندو امپیریلزم سے آزاد ہوتے تھے۔ اس پر اللہ کا ہزار در ہزار شکر!

مگر کیا کبھی ہم نے سوچا کہ آزادی ہے کیا؟

دُنیا میں کتنی ہی قومیں ہیں جو آزادی کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دے کر لمبی جدوجہد کرتی ہیں اور نتیجۃً وہ کسی غیر قوم کے سیاسی تسلط سے نکل آنے پر اس تصور سے سرشار ہو جاتی ہیں کہ ہم آزاد ہو گئے۔ اور پھر ہر سال اس آزادی کے جشن مناتی ہیں۔ مگر ان کو اس تلخ حقیقت کا شعور نہیں ہوتا کہ وہ ہنوز کچھ اور معنوں میں غلام ہیں۔ کتنی ہی زنجیریں اور بیڑیاں ہیں جنہوں نے ان کو جکڑ رکھا ہے۔ مگر کم ہی افراد کو ان زنجیروں اور بیڑیوں کو توڑ کر حقیقی اور مکمل آزادی کے لیے جدوجہد کرنے کا خیال آتا ہے۔ بلکہ اُلٹا ستم یہ ہوتا ہے کہ خود نو آزاد قوموں کے اندر ہی ایسے مضبوط عناصر اور منظم طبقے موجود ہوتے ہیں جو اُن زنجیروں اور بیڑیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جو کوئی ان کے خلاف زور لگائے یا آواز اُٹھائے اسے تخریب کاری اور انتشار انگیزی کا الزام دے کر سماجی اور ذہنی دباؤ سے ہی نہیں، حکومتی قوت و قانون سے کچل دیتی ہے۔ بہت سی زنجیریں اور بیڑیاں تو وہ ہوتی ہیں جو خود ہمارے ذہنوں سے اُگ کر بیل کی طرح ہمارے گرد لپٹتی جاتی ہیں۔

کسی بھی حقیقت پسند قوم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ بیرونی سیاسی اقتدار سے آزادی حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے معنی آزادی کی راہ پر پہلا قدم رکھنے کے ہیں اور اس مقام سے مکمل اور حقیقی آزادی کے مشکل تر سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

خاص طور پر جن قوموں کا وجود نظریاتی، اعتقادی اور تہذیبی ہوتا ہے۔ وہ اس وقت تک اپنے آپ کو پوری آزادی پر فائز نہیں سمجھتیں جب تک وہ اپنے اعتقادی و تہذیبی اُصولوں پر اپنی اور معاشرے کی زندگی کا اٹھان کا انتظام نہ کرلیں، جن قوموں کی کوئی تاریخ ہوتی ہے وہ اپنی تاریخ کے زریں دور کا احیا چاہتی ہیں۔ جن کی کوئی روایات ہوتی ہیں، وہ اپنی روایات کو زندہ کرنے سے پہلے اپنے وجود کو آزاد محسوس نہیں کرتیں۔ جن کے پاس خیر و فلاح کے معیارات ہوتے ہیں، وہ ان معیارات کو تازہ کرنے کے لیے بے تاب ہوتی ہیں۔ جن کے پاس کوئی اخلاقی قدریں اور ثقافتی شعار موجود ہوتے ہیں، وہ ان کو نئی زندگی دینے کے لیے کوشاں ہوتی ہیں۔ ایسی قوموں یا معاشروں کے نزدیک ہر وہ صورت غلامی کی صورت ہے جو اس امر میں مانع ہو کہ وہ اپنے محبوب نظامِ تہذیب کو روبہ عمل لاسکیں۔ انگریزوں سے ہمارا جھگڑا صرف معاشی مفاد ہی کا جھگڑا نہ تھا کہ وہ ہمارے ملک کی دولت کو نچوڑ کر لے جا رہے ہیں بلکہ اس کے سامنے نہایت آتشیں جذبات کو روبہ عمل لانے والا یہ سانحہ بھی تھا کہ ہمارے عقائد، ہمارے اخلاقی معیارات اور ہماری تہذیب کی درخشاں قدروں کو سامراج ملیامیٹ کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی سامراج کے خلاف جتنی تحریکات —— تحریکِ مجاہدین، تحریکِ ہجرت، تحریک ۱۸۵۷ء، تحریک خلافت، جمعیت العلما، مجلسِ احرار اور مسلم لیگ —— برپا ہوئیں، ان کا غالب ترین داعیہ دینی تھا۔

پھر جلد ہی وہ وقت بھی آگیا کہ مسلمانوں کے ذہین اور مدبر اکابر نے یہ محسوس کرلیا کہ انگریز (جس کی پالیسی شروع سے مسلمانوں کے خلاف انتقامی تھی) اپنے زیرِ سایہ خوفناک ہندو سامراج کو پال پوس کر اس امر کے لیے تیار کر رہا ہے کہ جب وہ خود رخصت ہونے پر مجبور ہو جائے تو سارا دروبست اس نوخیز سامراج کے حوالے کر دے جو اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکی میں مسلمانوں کو محض اس جرم کی سزا دینے کے لیے پیس ڈالے کہ وہ ایک جداگانہ نظریۂ حیات اور نظامِ تہذیب رکھنے کی وجہ سے ہندو سوسائٹی میں اکھنڈ سیکولر بھارت کے دروازے سے داخل ہونے پر تیار نہیں۔

مگر کوتاہ اندیش اور جلد باز متعصب ہندو "چانکیائیت" اپنے گھناؤنے چہرے کو تھوڑی دیر کے لیے بھی چالاکی کے فریب ناک پردے تک میں نہ چھپا سکی، بلکہ آزادی سے ذرا قبل کانگریس کو جب وزارتیں بنا کر حکومت کرنے کا عارضی موقع ملا تو فوری طور پر وردھا مندر اور ودیا مندر کے نام سے دو تعلیمی اسکیمیں ایسی نافذ کر دیں جو نہ صرف اسلامی عقاید و تہذیب کے خلاف تھیں بلکہ ہندو طلبہ کے ساتھ مسلمان بچوں پر بھی ہندو تہذیب اور ہندی زبان کو مسلط کرنے کا ذریعہ تھیں۔ ہندوؤں کی مسلم دشمن سامراجی ذہنیت جتنی زیادہ آشکارا ان سکیموں کے ذریعے ہوئی اتنی بہت سے پڑھے لکھے مسلمانوں پر بھی پہلے واضح نہ تھی۔ یہاں سے مسلمانوں کو ہندوؤں کی طرف سے تہذیبی غلامی مسلط کرنے کا گہرا احساس ہوا اور جو تحریک متحدہ ہندوستانی قومیت کے خلاف چل رہی تھی وہ پورے زور پر آگئی۔

اس دور کی تاریخ کو یاد دلانے کا مقصود یہ ہے کہ ہم نے اپنے تہذیبی وجود کے احیاء کا ارادہ رکھنے کی وجہ سے ہندوؤں کے تہذیبی تسلط میں جانے سے انکار کیا اور دو قومی نظریے کے تحت آزاد مسلم مملکت کے مطالبے کا علم پوری طرح بلند کر دیا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ انگریزی سامراج سے نکل کر اور ہندوؤں کی تہذیبی غلامی سے بچ کر اپنے اسلامی تہذیبی وجود کے احیا کا جو ارادہ کیا تھا، حالات آزادی کے بعد تیزی سے اس کے خلاف کام کرتے چلے گئے۔ آیئے ذرا غلامی کی ان نوعیتوں کا جائزہ لیں جن میں ہم مبتلا ہیں:

۱۔ ہمارا ایک قفس تو وہ ہے جو ہم نے اپنے گرد خود بنایا ہے اور اپنی اس تخلیق سے ہم دست بردار ہونے پر تیار نہیں ہیں۔ ہماری بے لگام خواہشات، ہماری اندھی دولت پرستی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے ضرر رساں اخلاقی رویے، ہماری مروجِ عام قانون شکنیاں اور غیر شائستہ حرکات، سماجی مرتبہ بڑھانے کی مسابقت، عہدہ و جاہ کی ہوس ——— اور ان وجوہ کے تحت حرام خوری، حرام کاری، خیانت، تشدد اور جرائم کی کثرت، ان سب آہنی تیلیوں سے مل کر ہمارا خود تخلیق کردہ قفس بنا ہے۔ اس قفس میں رہتے ہوئے بھی ہم پندارِ آزادی رکھتے ہیں اور ہر شخص اپنے اپنے قفس کا مضبوط محافظ ہے۔

۲ ——— دوسری غلامی مخالفانہ نظریات اور تحریکوں سے مسحوریت، ان کی حفاظت، ان کی تبلیغ اور ان کے استحکام کا جذبہ ہے۔ ہم اس وقت بھی جس ملغوبہ تہذیب کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، اس کا سب سے بڑا اور غالب جزو وہی مغربی طور طریقے ہیں، جن کو جب انگریز نے ہم پر غلامی و بے بسی کے عالم میں مسلط کیا تھا تو وہ ہماری نگاہوں میں بہت مبغوض تھے۔ اس کے ساتھ ہندو تہذیب و معاشرت کے اجزا ابھی ہماری عادات اور تقاریب میں شامل ہیں، لیکن اس غلامی کے خلاف مؤثر جذبۂ نفرت اور داعیۂ انقلاب بڑے پیمانے پر کارفرما نہیں ہے۔ ہم نے اس غلامی سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔

۳ ——— ثقافت، آرٹ اور کلچر کے نام سے مخالفِ ایمان و اخلاق مظاہر کا زور ہے۔ تعلیم ہو یا علوم، نصابی مواد ہو یا پروپیگنڈا لٹریچر، فلمیں ہوں یا کیسٹ، زیرِ زمین پھیلنے والا زہریلا لٹریچر ہو یا فٹ پاتھوں پر بکنے والی عریاں تصاویر، ایک زوردار بوچھاڑ ہے ہمارے تصورِ حیات اور تصورِ اخلاق اور تصورِ انسانیت کے خلاف۔ ترقی کا مفہوم ہمیں دوسروں نے متعین کر کے دیا ہے، انسانیت کا بہترین معیار مقرر کرنے والے ہمارے سیاسی و تہذیبی دشمن اور انسانیت کی قدروں اور شرافت و شائستگی کے اُصول سکھانے والے اُستاد ہمارے دین و تہذیب کے شدید مخالف ہیں۔

۴ ——— بڑی استعماری طاقتوں نے ہمارے گرد مضبوط گھیرا ڈال رکھا ہے۔ وہ ہماری اجناس ہم سے سستی حاصل کر کے اپنی مہنگی مصنوعات (جن میں سامانِ آرائش اور دوسری بے شمار اسرافیات شامل ہیں) ہماری منڈیوں میں فروخت کرتی ہیں۔ ہم ان کے تیار کردہ "ماہرین" کے لیے بھی بہترین مارکیٹ ہیں۔ وہ ہمیں بین الاقوامی اداروں اور کانفرنسوں میں بھی استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتی ہیں اور ہمارے حقیقی ایمانیات کے سیاسی و معاشی تقاضوں کو سامنے آنے سے روکتی ہیں۔ وہ ہمیں اسلحہ دے کر جس کو جس سے چاہیں لڑا دیتی ہیں اور اسلحہ روک کر جس سے جس کو چاہیں پٹوا دیتی ہیں۔ وہ "ایڈ" کے ساتھ اپنے تہذیبی رنگ ڈھنگ کو ہمارے اندر پھیلانے کے علاوہ ہمیں اسلامی تہذیب کے احیا سے روکتی ہیں اور ہمارے اندر سے جو قوتیں ایسے کسی مقصد کے سامنے کام کرتی ہیں، ان کو وہ ہمارے ہی بالادست طبقوں اور حکومتوں کے ذریعے پسوا دیتی ہیں۔ ہر حال میں ان کی کوشش یہ ہے کہ فکری، مالی اور دفاعی حیثیت سے، بلکہ پروپیگنڈے کے میدان میں بھی ہم اپنے پیروں پر نہ کھڑے ہوسکیں۔ وہ ہمارے ہاں جاسوسی کرتی ہیں اور وہ ہمارے آدمیوں کو خرید کر کام میں لاتی ہیں۔

کیا اس حالت کا نام آزادی ہے؟

ہمارے لیے حقیقی آزادی کے ظہور کے چند معین معیارات ہیں:

ایک یہ کہ ہمارا نظامِ تعلیم مغرب کے مادہ پرستانہ فلسفوں اور نظریوں سے آزاد ہو کر کیا ہمارے اپنے اصولوں پر استوار ہوسکا ہے؟ کیا وہ ایک غیر زبان کے حاکمانہ تسلط سے آزاد ہوچکا ہے؟ کیا اس کی دوہری طبقاتی سطحیں ختم ہو کر یک آہنگی پیدا ہوچکی ہے؟

دوسرا یہ کہ اسلام کو غالب و کارفرما کرنے کا عمل، ۲۳ سال کی طویل مدت کے حساب سے کیا حوصلہ افزا حد تک ہوسکا ہے؟ اور جو تھوڑا بہت کام ہوا ہے، کیا اسے سیکولر ذہن کے بااثر طبقوں اور انحراف پسندوں کی دخل اندازیوں سے بچایا جاسکا ہے؟

تیسرا یہ کہ اردو زبان جسے مسلم تہذیب کی آئینہ دار قرار دے کر کانگریس نے تباہ کرنے کی کوشش شروع کی تھی اور جسے آج بھارت میں عملاً کچل دیا گیا ہے، کیا بہ حیثیت قومی زبان کے اس کے فروغ کے لیے ہم نے بھرپور اور قابلِ اطمینان کام کر لیا ہے؟

چوتھا یہ کہ کیا مسلمانوں کی زندگیوں کو سنوارنے کے لیے ہم نے ماحول کو منکرات و فواحش سے پاک کرنے کے لیے کوئی قابلِ فخر حصہ ادا کیا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باتیں اور بھی بہت ہیں، مگر میں ان چار اصولی چیزوں کو سامنے رکھ کر پوچھتا ہوں کہ اگر ان کے متعلق ہم اپنا احتساب کریں تو کیا ہمارے ضمیر تسلی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ۳۷ سال میں آزادی کا سفر بہت کامیابی اور تیز رفتاری سے طے کر لیا ہے۔

اُوپر کی گذارشات پر جب آپ سکون سے غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ آزادی کی فضا میں پہنچ کر بھی ابھی تک ہم ذہنی اور تہذیبی اور اخلاقی غلامی کی زنجیروں سے آزاد نہیں ہو سکے۔

ع فلک پہ اُڑ کے بھی شاہیں اسیرِ دام رہے

اگر یہ احساس آپ کے اندر جاگ اُٹھے تو اللہ کا نام لے کر اب آزادی کی اُس راہ پر آگے بڑھیے، جس پر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ نے پہلا قدم رکھا تھا۔

اعتذار

مجھے افسوس ہے کہ جون کے شمارے میں قصاص و دیت کی بحث کے سلسلے میں بعض حضرات کے حق میں ہمارا اندازِ بیان غیر محتاط ہو گیا۔ جن دوستوں کو کسی ریمارک سے تکلیف پہنچی ہو، اُن سے ہم معذرت چاہتے ہیں۔

(ادارہ)

توجّہ طلب

ایک بزرگ اور مخلص عالمِ دین نے تمام مسلمانوں کو یہ پیغام دینا چاہا ہے کہ کتاب و سنّت اور اجماع سے طے شدہ مسائل کی مخالفت کسی شخص کو نہیں کرنی چاہیے اور خدا سے ڈرنا چاہیے، کیونکہ عند اللہ یہ شریعت کے خلاف گستاخی ہے۔

(ادارہ)

© rasailojaraid.com